ڈاکٹر مرغوب حسین طاہر
وزٹنگ پروفیسر، شعبہ اردو، اوساکا یونیورسٹی جاپان

Dr. Marghoob Hussain Tahir
Visiting Prof. Department of Urdu
Osaka Univeristy, Japan

ڈاکٹر سہیل بخاری کے ناقدین

Critics of Dr. Sohail Bukhari

Abstract: Dr. Sohail Bukhari's theories on the origin and development of the Urdu language have not been taken seriously by any linguists so far. Despite the publication of his articles on linguistics, opposition to his theories has also begun. Scholars, experts, and linguists who have presented theories on Sanskrit, Prakrit, other languages of India, Deccani literature, and the Urdu language have faced criticism and questioning, which is a natural and inevitable part of research and scientific subjects. Urdu language researchers and linguists have also disagreed with each other's theories and arguments, but the opposition and criticism against Dr. Sohail Bukhari's theories have taken a hostile form. There is also a sense of enmity with academic differences. Such an atmosphere has been created against him that the ordinary linguistic student seems to be opposed to these ideas without even studying or being aware of his theories. This article will analyze the research and criticism methods of some of Dr. Sohail Bukhari's critics and supporters to understand the reasons behind this general opposition.

Keywors: theories, Critics, linguists, Sanskrit, Prakrit, hostile form

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے جو نظریے پیش کیے ہیں ان پر ابھی تک کسی ماہرِ لسانیات نے سنجیدگی سے غور و خوض نہیں کیا ہے۔ لسانیات کے موضوع پر ان کے مقالات کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کے نظریات کی مخالفت کا بھی آغاز ہو گیا۔ سنسکرت، پراکرت، ہندوستان کی دیگر زبانوں، دکنی ادب اور اردو زبان کے بارے میں مستشرقین، مشاہیر اور ماہرین لسانایت نے جو نظریات پیش کیے تھے ان کی تردید کرنے کی وجہ سے یہ مخالفت فطری اور قدرتی امر تھا۔ تحقیقی و علمی موضوعات اور نظریات میں نقطہ نظر کا اختلاف اور دلائل کے رد و قبول کی روایت ہر شعبہ علم میں موجود ہے۔ اردو زبان پر تحقیق کرنے والے محققین اور ماہرین لسانیات نے بھی ایک دوسرے کے نظریات اور دلائل سے اختلاف کیا ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کی مخالفت اور تردید جس انداز میں کی گئی ہے اس میں علمی اختلافات کے ساتھ مخاصمت کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔ ان کے خلاف ایک ایسی فضا بنا دی گئی ہے کہ زبان کا عام طالب علم ان کے

نظریات کے مطالعے اور آگاہی کے بغیر ہی ان نظریات کا مخالف نظر آتا ہے۔ اس عمومی مخالفت کی وجہ جاننے کے لیے ڈاکٹر سہیل بخاری کے چند ناقدین اور محققین کے اندازِ تحقیق و تنقید کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری نے ''اردو کی زبان'' کا مسودہ ۱۹۶۲ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کو اشاعت کے لیے ارسال کیا تھا۔ اس زمانے میں مجلس کے ناظم سید امتیاز علی تاج تھے۔ مسودہ ماہرانہ رائے کے لیے پروفیسر افتخار احمد صدیقی (ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مرحوم) کو ارسال کیا گیا۔ افتخار احمد صدیقی بلاشبہ ماہرین اقبالیات میں اہم مقام رکھتے ہیں لیکن ان کا شمار ماہرین لسانیات میں نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس کتاب کے مسودے پر ''اردو کی زبان۔ ڈاکٹر سہیل بخاری (ایک سرسری جائزہ)'' کے عنوان سے ایک تبصرہ رپورٹ لکھ کر مجلس ترقی ادب کو بھجوائی۔ (۱) کتاب کو جس نظر سے دیکھا گیا اس کا اندازہ ابتدائی جملوں ہی سے ہوتا ہے:

> ''سہیل بخاری کا مقالہ (مسودہ/کتاب) اردو کی زبان اپنے عنوان کی طرح جدت طرازی اور اختراع پسندی کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس مقالے میں مغربی و مشرقی ماہرین لسانیات کے مسلمہ نظریات کے برخلاف کئی انقلابی نظریات بھی پیش کیے ہیں''۔ (۲)

افتخار احمد صدیقی نے سہیل بخاری کے اس نظریے کو عجیب و غریب کہا ہے جس کے مطابق پراکرتوں کا اشتقاق سنسکرت سے ماننا درست نہیں ہے کیوں کہ صدیقی صاحب بھی سنسکرت کی اس مخالفت کو تسلیم نہیں کر سکے اور یہ وضاحت کی ہے:

> ''علمائے لسانیات نے سنسکرت کو ہندوستان کی زبانوں میں ام الالسنہ کا درجہ دیا ہے''۔ (۳)

افتخار احمد صدیقی صاحب نے اردو زبان کا تعلق مہاراشٹری اور مرہٹی سے ثابت کرنے پر ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریے کی ایک قباحت پر روشنی ڈالی ہے:

> ''اس نظریے کو تسلیم کرنے سے اردو کا لسانی رشتہ شمالی ہند کی تمام زبانوں سے اور خصوصاً پنجابی سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے''۔ (۴)

افتخار احمد صدیقی کا یہ خیال یا تشویش کسی حد تک درست ہے اس سے قطع نظر یہ اعتراض کسی لسانی دلیل پر قائم نہیں کیا گیا ہے۔ افتخار احمد صدیقی نے حافظ محمود شیرانی کے نظریے کو درست قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری کے اس نظریے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> ''اس میں شک نہیں کہ سہیل بخاری صاحب نے مختلف نظریات کا جائزہ لیا اور سید سلیمان ندوی، پنڈت کیفی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور شوکت سبزواری کے نظریات کی خامیاں بہ وضاحت بیان کیں لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے پروفیسر شیرانی اور ڈاکٹر زور کے تحقیقی کام کو آگے بڑھانے کے بجائے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی''۔ (۵)

افتخار احمد صدیقی کے اس مشورے پر کوئی تبصرہ کرنا غیر ضروری ہے کیوں کہ اس میں جو مشورہ یا تجویز دی گئی ہے اس کا تعلق ڈاکٹر سہیل بخاری سے ہے اور اب یہ دونوں ہستیاں اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے سہیل بخاری کے آغاز زبان کے نظریے کا قومی اور ملی جذبے کے زیر اثر جائزہ لیتے ہوئے اس خدشے کا بھی اظہار کیا ہے:

''ظاہر ہے کہ اس نظریے سے قومی زبان مخالفین کو ایک نیا شوشہ ہاتھ آ جائے گا اور اردو کے خلاف علاقائی تعصبات بھڑکانے میں مدد ملے گی''۔(۶)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ اس کتاب کے ابواب پہلے مختلف جرائد میں شایع کروائے جاتے اور پھر ان کو کتاب کی شکل میں مرتب کیا جاتا لیکن اس تجویز کے برخلاف کتاب کی اشاعت کے بارے میں انھوں نے کہا:

''غالباً مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ مجلس ترقی ادب کے مضبوط کندھے پر رکھ کر اچانک بندوق داغ دی جائے''۔(۷)

ان تمام خدشات اور اعتراضات کے بعد ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''گر اس پہلوؤں کو نظر انداز کر کے خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس مقالے کی اشاعت کے لیے وجہ جواز موجود ہے''۔(۸)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ پروفیسر افتخار احمد صدیقی ماہر لسانیات نہیں تھے اس لیے دقیق لسانی مسائل پر ان کی آرا کو اہمیت نہیں دی جا سکتی لیکن اس کتاب پر افتخار صدیقی صاحب کی رائے سے ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی اتفاق کیا جس کا ذکر سہیل بخاری کے نام سید امتیاز علی تاج کے خط میں تحریر ہے:

''آپ کے مشورے کے مطابق کتاب اردو زبان کا مسودہ سید عبداللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تھا موصوف نے بھی پروفیسر افتخار احمد صاحب کی رائے سے اتفاق کیا ہے''۔(۹)

چناں چہ اس کتاب کے مجلس ترقی ادب سے شایع ہونے کا امکان باقی نہ رہا۔

ڈاکٹر شوکت سبز واری کا شمار مشہور ماہرین لسانیات میں ہوتا ہے۔ وہ موجودہ دور کے ان چند اکابرین میں سے تھے جو سنسکرت زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اپنی کتاب '' اردو زبان کا ارتقا'' میں انھوں نے لسانیات کے علم پر اپنی مہارت ثابت کی ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری نے اردو کے آغاز کا تعلق ''پالی'' سے جوڑا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری نے ان کے نظریات اور دلائل سے اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلاف علمی سطح کا ہے لیکن دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک، مخاصمت اور ذاتی اختلافات بھی موجود تھے۔ اس بات کا اندازہ ڈاکٹر شوکت سبز واری کے ان خطوط سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے ابو سعادت جلیلی کے نام تحریر کیے اور جن '' اردو کی زبان'' کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر پر تشویش اور تاسف کا اظہار کیا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی وضع دار واقع ہوا ہوں چناں چہ اگر کاغذ کی نایابی ہی اس کی تاخیر کا اصل سبب ہے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ فی الحال اور صبر کر لوں گا اور اگر کتاب کسی سازش کا شکار ہو گئی ہے یا ہو رہی ہے تو ضرور افسوس ہو گا۔

اس مکتبے (مکتبہ تخلیق ادب کراچی) سے ڈاکٹر شوکت سبز واری صاحب کی کتاب ''اردو لسانیات'' چھپ چکی ہے۔ چناں چہ اس کے چھپنے کے بعد میں نے توقع کی تھی کہ اب میری

کتاب ضرور چھپ جائے گی کیوں کہ موصوف کو تو انعام بھی مل چکا ہے اب ان کے لیے میری کتاب چھپنے سے کوئی خدشہ نہیں ہو سکتا"۔(۱۰)

ڈاکٹر شوکت سبز واری اور سہیل بخاری کے علمی دلائل پر مبنی مباحث میں بھی اختلاف کی اس لہر کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر شوکت سبز واری اردو لغت بورڈ کراچی کے صدر تھے۔ڈاکٹر سہیل بخاری نے لغت میں دکنی ادب سے الفاظ کی مثالیں پیش کرنے پر اپنے ایک مراسلے میں اعتراض کیا جس کے جواب میں ڈاکٹر شوکت سبز واری نے اپنے مضمون میں کہا:

"ایک صاحب نے کمال کیا ہے۔فرماتے ہیں دکنی ادب کو اردوئے قدیم بتانا ایک بنیادی غلطی ہے۔اس سے مثالیں پیش نہ کی جائیں میں ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ ہم کسی فرد واحد کی منفرد رائے نہیں مان سکتے۔خصوصیت کے ساتھ اس صورت میں جب آئمہ فن اور خاص اس شعبے میں تحقیقی کام کرنے والوں کی تحقیق اس کے خلاف ہو۔مناسب ہے کہ وہ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور، پروفیسر شیرانی کی تحریریں نیز "اردو زبان کا ارتقا" اور "داستان زبان اردو" مطالعہ فرمائیں"۔(۱۱)

اس خط کے جواب میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے ایک طویل مراسلہ "اردو نامہ" کے مدیر کو تحریر کیا۔ادارے نے یہ شوکت سبز واری کے حواشی کے ساتھ شایع کیا۔خط کے مندرجات اور حواشی سے علمی مناظرے کے پہلو بہ پہلو طنز کا تبادلہ بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔(۱۲)　ڈاکٹر سہیل بخاری نے ڈاکٹر شوکت سبز واری کے اعتراضات اور طنز کا جواب اپنے ایک مضمون میں بھی دیا ہے:

"لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارے محققین شیرانی کے نظریے پر معترض ہیں اور پنجابی اور اردو کو ماں بیٹی سلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں لیکن دوسری طرف دکنی ادب کو اردوئے قدیم بھی مانے بیٹھے ہیں اور جب ان کی توجہ اس فرو گزاشات کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے تو کوئی دلیل دیے بغیر یہ کہہ کر منہ بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم کسی فرد واحد کی رائے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔میرے نزدیک یہ نقطہ نظر جو "ما قال" کی جگہ "من قال" کو اہمیت دیتا ہے، تحقیق کا صریح مخالف اور تقلید کا حاشیہ بردار ہے اس لیے کہ تحقیق ہمیشہ فرد واحد کی تنہا آواز ہوتی ہے"۔(۱۳)

ڈاکٹر شوکت سبز واری کے سلسلے میں اصغر ہاشمی لکھتے ہیں:

"جہاں تک شوکت سبز واری صاحب کا معاملہ ہے ان کا ڈاکٹر بخاری سے متعلق رویہ بھی کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے وہ ڈاکٹر بخاری کے مراسلوں پر تو حاشیے لگا کر تنقید میں مستعد نظر آتے ہیں لیکن ان کی متعلقہ تصنیفات پر مکمل دم سادھ لیتے ہیں"۔(۱۴)

اس طرح کے ذاتی اختلافات کی موجودگی میں کی جانے والی تنقید معروضی اور غیر جانب دار نہیں رہ سکتی۔

ڈاکٹر گیان چند جین کا شمار بھی ڈاکٹر سہیل بخاری کے نمایاں ناقدین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر سہیل بخاری کے اکثر نظریات کا جائزہ لے کر نہایت سخت آرا کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ وہ بیش تر نظریات سے اتفاق نہیں کرتے لیکن پاکستان اور بھارت میں لسانیات کے موضوع پر لکھنے والے لسانی محققین میں سے ڈاکٹر سہیل بخاری کو ان چند محققین میں شمار کرتے ہیں جو ان کے نزدیک لسانیات کے علم سے واقف ہیں۔ سہیل بخاری کو انھوں نے "اہل نظر" لسانی محققین کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ گیان چند کہتے ہیں:

> "اردو کے مسئلے پر غور کرنے والوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ بزرگ ہیں جو لسانیات کا درج نہیں رکھے مثلاً میر امن، محمد حسین آزاد، نصیر الدین ہاشمی، سلیمان ندوی اور محمود شیرانی۔ یہ حضرات جدید ہند آریائی زبانوں کے آغاز اور ارتقاء سے اس قدر نابلد ہیں کہ کھڑی بولی، اردو اور ہندی کے اشتراک و اختلاف کا احساس و عرفان نہیں رکھتے۔ وہ اردو سے واقف ہیں اور بس۔ دوسرے وہ اہل نظر ہیں جو تاریخی لسانیات پر نظر رکھتے ہیں مثلاً ڈاکٹر زور اور مسعود حسین خان، ڈاکٹر شوکت سبز واری اور ڈاکٹر سہیل بخاری"۔(۱۵)

ڈاکٹر گیان چند جین کی بہت زیادہ اہمیت ڈاکٹر سہیل بخاری کے بارے میں ان کے تنقیدی رویے کی وجہ سے ہے جس کی بنا پر لسانی محققین نے ان کی تنقید کے زیر اثر سہیل بخاری کے نظریات کا تجزیہ کیا اور بعض نے تو صرف ان کی رائے کو حرف آخر سمجھتے ہوئے اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات سے اختلاف اور ان کے دلائل اور خیالات کا بطلان ایک ایسا علمی اور تحقیقی پہلو ہے جس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ تمام علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں تحقیق کی روایت فی الحقیقت نظریات کے رد و قبول اور اتفاق و اختلاف کے تسلسل ہی کا مظہر ہے لیکن ڈاکٹر گیان چند جین نے سہیل بخاری کے نظریات پر اظہار خیال کرتے ہوئے بہت سخت گیر اور طنزیہ بلکہ تحقیر آمیز اور معاندانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین کی تحریروں کا بلا استیعاب مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان کا یہ انداز ان کی تنقید کا عمومی رویہ ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے بارے میں ان کے طنزیہ انداز کی نشان دہی سے پہلے اس عمومی رویے سے آگاہ ہونا اشد ضروری ہے مثلاً اردو اور ہندی کے تنازعے کے سلسلے میں مولوی عبد الحق اور مہاتما گاندھی کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مولوی عبد الحق کو یا تو سمجھنے میں بھول ہوئی یا انھیں غلط یاد رہ گیا۔ یہ جھوٹ سہی لیکن "ہندی ہندوستانی" کی بات اردو والوں کے لیے ایسی ثابت ہوئی جیسے پاگل سانڈ کے لیے لال چیتھڑا"۔
> (۱۶)

سانڈ کے ساتھ "پاگل" اور کپڑے کے لیے "چیتھڑا" جیسے تحقیق آمیز لفظ کا استعمال گیان چند جین کے اسی مخصوص ذہنی رویے کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اردو زبان کے ماہرین لسانیات، محققین اور ان کے نظریات کے سلسلے میں ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

''اہل اردو کی یہ کمزوری ہے کہ وہ عربی اور فارسی کے تو ماہر ہوتے ہیں لیکن اردو سے قبل کے ہندوستان کے لسانی نقشے سے براہِ راست واقفیت نہیں رکھتے۔ان کے لیے یہ ایک بند قلعہ ہے جس کے بارے میں ہندی والوں سے کچھ سن سنا کر لکھ دیتے ہیں۔ تاریخی لسانیات پر اردو میں جو کچھ لکھا جاتا ہے۔۔۔ وہ ہندی سنسکرت کے کارناموں کی زلہ ربائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا''۔(۱۷)

اس بارے میں بحث کی جا سکتی ہے کہ ماہر لسانیات اور محقق اپنی تصانیف اور تحریروں میں جن زبانوں کا ذکر کرتا ہے کیا وہ ان تمام کی تمام زبانوں سے براہِ راست واقفیت رکھتا ہے اور کیا کسی ایک شخص کے لیے یہ ممکن بھی ہے۔ دوسروں سے ان کی زبان کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے اور دوسری زبانوں کے مصنفین کی کتب کے مطالعے سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر ان کے بارے میں اظہار خیال کرنا صرف '' اہل اردو'' کی کمزوری ہے یا اس ''زلہ ربائی'' کی لاتعداد مثالیں لسانی تحقیق کی روایت میں ہر زبان میں موجود ہیں لیکن اس وقت نفس مضمون پر توجہ کے بہ جائے صرف اندازِ تنقید کی وضاحت مقصود ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین کی نظر میں ''اہل اردو'' کی جو وقعت ہے اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی کیا جا سکتا ہے:

''ہم اہل اردو تو اپنے دور کی معاصر زبانوں اور بولیوں کی خصوصیات کا بھی درک نہیں رکھتے۔ کچھ مستشرقین اور ہندی کے علما سے جو کچھ سنا ہے اسی کے بل بوتے پر کج بحثی کرنے اور الجھنے کو تیار رہتے ہیں''۔(۱۸)

اہل اردو کی جہالت ثابت کرتے وہوئے انھوں نے یہ بھی کیا ہے:

''مشکل یہ ہے کہ اردو کی قدیم تاریخ کو جاننے کے لیے عربی، فارسی نہیں پراکرت اور اپ بھرنش کی واقفیت چاہیے۔اگر براہ راست نہیں تو کم از کم ہندی میں جو مواد ملتا ہے اس سے استفادہ کر لیں لیکن بیسویں صدی کے نصف اول کی اردو تحریک نے ہندی زبان اور قدیم تحریوں کی محض تضحیک کرنا سکھایا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس علم کے بغیر اہل اردو اپنے شجرے کے بارے میں جاہل مطلق رہ گئے''۔(۱۹)

اردو زبان کے بیشتر محققین اور ماہرین لسانیات ڈاکٹر گیان چند جین کے نزدیک لسانیات سے ناواقف اور نابلد ہیں۔ چند ماہرین لسانیات کے بارے میں ان کی آرا ملاحظہ کیجیے۔حافظ محمود شیرانی کے بارے میں کہتے ہیں:

''شیرانی نے اپنا نظریہ ''پنجاب میں اردو'' کے مقدمے میں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں اردو سے قبل کی لسانی صورت حال کی کوئی واقفیت نہ تھی''۔(۲۰)

''وہ تاریخی لسانیات کی مبادیات تک سے اتنے بے خبر ہیں۔۔۔''۔(۲۱)

''شیرانی کا یہ خلفشار تو دیکھیے''۔(۲۲)

''انھوں نے قنوجی کا نام بھی لیا ہے لیکن محض اٹکل پچو''۔(۲۳)

''انھیں ما قبل اردو کی زبانوں اور اس کے علاقوں کا کوئی تصور نہیں''۔(۲۴)

بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بارے میں بھی قطعی فیصلہ دیا ہے:

''مولوی عبدالحق کا لسانیات شعور کمزور ہے''۔(۲۵)

ڈاکٹر شوکت سبز واری کے بارے میں کہتے ہیں:

''ڈاکٹر شوکت سبز واری کو یہ کہاں سے الہام ہوا کہ اردو، ہندوستانی یا کھڑی قدیم ویدک بولیوں میں سے ایک بولی ہے۔ بغیر کسی ثبوت اور مثالوں کے کچھ بھی آئیں بائیں شائیں دعوا کر دینا غیر علمی طریق کار ہے''۔(۲۶)

ڈاکٹر گیان چند جین کے مضامین کے مجموعے ''لسانی مطالعے'' کا انتساب '' اپنے مخلص کرم فرما ڈاکٹر مسعود حسین خاں'' کے نام ہے۔ اسی مجموعے میں ڈاکٹر مسعود حسین خان کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' میں ان کے پیش کردہ نظریے کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ان کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کے ابتدائی ابواب ہیں۔ یہ کام انھوں نے ۱۹۴۷ء سے قبل کیا تھا جب لسانیات پر ان کی نظر زیادہ گہری نہ ہو گی''۔(۲۷)

مسعود حسین خاں کے نظریے کا خلاصہ بیان کر کے وہ مزید کہتے ہیں:

''اب تک انھوں نے اپنے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں کی چوں کہ وہ اردو نیز لسانیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں اس لیے ان کے نظریے کی بڑی دھاک ہے اور اسے بغیر چوں چرا کے قبول کر لیا جاتا ہے''۔(۲۸)

۱۹۴۷ء سے قبل ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی لسانیات پر نظر زیادہ گہری نہیں تھی۔ ''لسانی مطالعے'' ۱۹۷۳ء میں شایع ہوئی جب تک انھوں نے اپنے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی یعنی گیان چند کے نزدیک اس وقت بھی ان کی لسانیات پر گہری نظر نہیں تھی اور ان کے نظریے کو دلائل کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اس لیے قبول کر لیا جاتا ہے کہ وہ اردو اور لسانیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے سلسلے میں بھی ان کا یہ طنزیہ انداز ان کی تحریر کا حصہ ہے:

''اپنے تحقیقی مقالے میں انھوں نے چاہا ہو گا کہ وہ بھی اردو کے آغاز کا کوئی نیا نظریہ دینے کا اعزاز حاصل کریں۔ پانچویں باب کا بڑے طمطراق سے عنوان ہے ''تشکیل ایک لسانی نظریے کی'' (۲۹)

اس طرح کا طنز سید سلیمان ندوی پر بھی کیا ہے:

''انھوں نے سوچا کہ جب اردو نووارد مسلمانوں اور مقامی ہندوؤں کی زبانوں کے میل کا نتیجہ ہے تو یہ اعزاز دہلی اور لاہور کو کیوں دیں ان سے بھی پہلے چل کر سندھ کو کیوں نہ دیں''۔(۳۰)

متقدمین، متاخرین اور مستشرقین کے بارے میں اس طنزیہ انداز کی مثالیں گیان چند جین کی تحریروں میں بہ کثرت موجود ہیں۔ مستشرقین اور متقدمین نے جس وقت ہندوستان کی زبانوں کا تجزیہ شروع کیا تھا اس وقت علم لسانیات کو سائنسی علم کا درجہ حاصل نہیں تھا اور نہ ہی ذرائع ابلاغ اتنے ترقی یافتہ تھے۔ ان محققین کے ذرائع اور وسائل تحقیق بہت محدود تھے لیکن ان کی اغلاط کی نشان دہی کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند جین ان حقائق کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے خیالات اور مفروضات کے بارے میں بھی ایسے ہی طنزیہ اور تضحیک آمیز انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ اردو زبان کے چند مشاہیر اور صف اول کے شعراء کے بارے میں بھی ان کے چند جملے ملاحظہ کیجیے جو ان کے اندازِ تنقید کو واضح کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اقبال کا یہ کہنا کہ نظم میں اغلاط چھپ گئے تھے اپنے سقم کو کاتب و طابع کے سر منڈھ دینا ہے'۔(۳۱)

جوش ملیح آبادی کے بارے میں ان کی رائے دیکھیے:

''یہ شاہد احمد دہلوی ہی کی مجال تھی کہ جوش جیسے بد دماغ اہل زبان کی زبان پر گرفت کی''۔(۳۲)

فراق گورکھ پوری کی عروضی اغلاط کی نشان دہی کرتے ہوئے بھی ان کا طنز واضح ہے:

''قربان جایئے فراق کی موزونی طبع کے''۔(۳۳)

''فراق کے ہر مصرعے کا ہر جزو ٹوٹتا، اکھڑتا محسوس ہوتا ہے۔ حس موزونیت کا یہ عالم اور عروض میں تجربوں کا دعویٰ''۔(۳۴)

زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایسے جملے اس نقاد اور محقق کے قلم سے تحریر ہوئے ہیں جس نے محققین کے لیے ضابطہ اخلاق مرتب کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ ''اخلاقیات تحقیق'' کے عنوان سے ڈاکٹر گیان چند جین نے رسالہ ''شاعر'' کے ''گوشہ گیان چند جین'' کے لیے ایک مبسوط مضمون تحریر کیا تھا جس میں ان کے بہ قول اخلاقیات تحقیق کی خلاف ورزیوں کی مثالیں بڑی جگرداری سے درج کی تھیں۔(۳۵)

ڈاکٹر گیان چند جین کے اخلاقیات تحقیق کے ضابطے میں ایسا طنزیہ انداز جس سے کسی کی دل آزاری ہو قابل گرفت اور لائق اصلاح ہے:

''قاضی عبدالودود بھی غلطیوں کی گرفت کرتے وقت بعض اوقات شدت جذبات میں بڑے تیکھے طنز کر جاتے ہیں۔ ان کے محبوب ہدف مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

ہیں۔ میں نے ''معاصر'' قاضی عبدالودود نمبر میں ان پر جو مضمون لکھا تھا اس کے بعد انھوں نے میرا معروضہ مان لیا کہ کسی پر دل آزار طریقے سے اعتراض نہ کریں گے''۔(۳۶)

ڈاکٹر گیان چند جین نے قاضی عبدالودود جیسے محقق کو جو مشورہ دیا ہے وہ اعلیٰ سماجی، اخلاقی اور مذہبی رواداری کا عکاس اور اس تہذیب کا ترجمان ہے جو مشرق اور خصوصاً برصغیر کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ اسی مضمون میں انھوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے:

''دل آزاری ہر مذہب اور مشرب میں گناہ ہے لیکن زندگی میں اس سے مفر نہیں۔ افسوس کہ تحقیق میں اس سے مکمل اجتناب ممکن نہیں۔ کتنے ہی احترام سے اغلاط کی نشان دہی کیجیے فریق مخالف کے آبگینے کو ٹھیس پہنچے گی۔ مجھ جیسے استثنا کہاں ہوتے ہیں۔(۳۷)

یہاں یہ معذرت کرنا ضروری ہے کہ طوالت کے خوف اور موضوع سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے اس اقتباس کا سیاق وسباق اور مکمل متن شامل نہیں کیا جا سکتا ورنہ آخری جملے سے پیدا ہونے والا خود نمائی کا تاثر شاید کچھ کم ہو جاتا۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے محققین کو نہایت صائب مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:

''اعتراض کے لہجے میں نرمی برتیے، طنز اور تمسخر سے پرہیز کیجیے۔ ذاتیات پر حملہ نہ کیجیے۔ غلطی کی گرفت کرتے وقت بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کی دل داری ملحوظ رکھیے''۔(۳۸)

ان اعلیٰ اقدار کے داعی اور ''اخلاقیات تحقیق'' کے مصنف ڈاکٹر گیان چند جین نے اگرچہ اکثر لسانی محققین پر تنقید کرتے ہوئے اپنے ہی بتائے ہوئے ان اصولوں اور معیارات کی پاس داری نہیں کی لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری ان کی ''استہزائی تنقید'' کا خصوصی ہدف بنے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تحریروں میں عام طور پر تحقیر اور تضحیک کا پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے بارے میں ان کے چند جملے ملاحظہ کیجیے:

''ڈاکٹر سہیل بخاری نے لسانیات پڑھ کر کج فہمی کے سبب عجیب عجیب مفروضات قائم کیے ہیں''۔(۳۹)

''ان کے بہت سے مفروضات ایجاد بندہ قسم کے ہوتے ہیں''۔(۴۰)

''ان کی اصطلاحی بوالعجبیوں کو نظر انداز کر کے ان کے نظریے کے مغز کو دیکھیے''۔(۴۱)

''اس تمام لسانی مجذوبیت کے بیچ کام کی بات صرف ایک کہی گئی ہے''۔(۴۲)

'' قارئین سے معذرت خواہ ہوں کہ ایسے لسانی مالی خولیا سے ان کی طبیعت منغض کی''۔(۴۳)

''واللہ علم انھیں کھڑ دیس اور کھڑیا بولی کی بھنک کہاں سے پڑ گئی۔۔۔۔ ہوئے بس
است''۔(۴۴)

ڈاکٹر گیان چند جین نے شاید مروت اور اخلاقی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پوری فارسی ضرب المثل درج نہیں کی اور نقاط لگا کر کچھ الفاظ کا اخفا کیا لیکن اپنی ایک اور کتاب ''لسانی رشتے'' میں انھیں خیالات کو دہراتے ہوئے یہ تکلف بھی ختم کر دیا:

''دیوانہ را ہوئے بس است''۔(۴۵)

اس انداز کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین نے خود ہی بالکل درست فرمایا ہے:

''یہ اندازِ گفتگو اردو تحقیق ہی نہیں ہماری تہذیب کے شایاں بھی نہیں''۔(۴۶)

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس نظریے کی حمایت کی ہے کہ ہندوستان کی زبانیں اور پراکرتیں آریاؤں کی آمد سے قبل اپنا وجود رکھتی تھیں اور ''رگ وید'' سے پہلے یہاں کے باشندوں کی بول چال میں مستعمل تھیں۔اپنے مضمون ''اردو کا قدیم ترین ادب'' میں انھوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''رگ وید'' میں بھی اردو زبان کے الفاظ ملتے ہیں۔ڈاکٹر گیان چند جین نے اعتراض کیا ہے:

''افسوس یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار نے رگ وید میں اردو کے ایک لفظ کی مثال بھی درج
نہیں کی''۔(۴۷)

ڈاکٹر سہیل بخاری کا ایک طویل مقالہ ''اردو کی زبان کا آغاز'' ۱۹۶۳ میں شایع ہوا تھا جس میں انھوں نے ''رگ وید'' میں اردو کے الفاظ کی نشان دہی کرتے ہوئے لاتعداد مثالیں پیش کی تھیں۔(۴۸)

''اردو کا روپ'' مطبوعہ ۱۹۷۱ء اور ''اردو کی کہانی'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء میں بھی یہ مثالیں موجود ہیں اور ایسے الفاظ کی تعداد اندازاً تین سو کے لگ بھگ ہے۔جب ڈاکٹر گیان چند جین نے یہ اعتراض کیا تو سہیل بخاری کی یہ تصانیف غالباً ان کی نظر سے نہ گزری ہوں گی۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے ایک اور جگہ فرمایا ہے:

''پاکستان کے دوسرے ماہر لسانیات ڈاکٹر سہیل بخاری ہیں جو شوکت سبزواری کی طرح
سنسکرت جاننے کے مدعی ہیں''۔(۴۹)

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے لاتعداد سنسکرت اور پراکرت الفاظ کا جو اشتقاق اور سنسکرت زبان میں صوتی تغیر و تبادل کے قواعد کی جو نشان دہی ''اردو زبان کا ارتقا'' میں کی ہے وہ ان کے سنسکرت زبان سے واقفیت کا ثبوت ہے۔ڈاکٹر سہیل بخاری کی تصانیف میں تو ایسے مباحث بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔انھوں نے سنسکرت کے صرفی و نحوی قواعد پر بھی بحث کی ہے۔ سہیل بخاری نے تو سنسکرت ڈراموں کے اردو تراجم بھی کیے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف مدعی نہیں بلکہ سنسکرت زبان پر مہارت رکھتے ہیں لیکن ڈاکٹر گیان چند جین کے نزدیک اردو والے چوں کہ صرف سنسکرت اور ہندی کے کارناموں کی زلہ ربائی کرتے ہیں تو سنسکرت جاننے کا دعویٰ ان کے خیال میں مشکوک ٹھہرتا ہے۔ڈاکٹر سہیل بخاری کے فارسی اور عربی الفاظ سے معرا اسلوب کے بارے میں بھی انھوں نے لکھا ہے:

''انھیں ڈاکٹر صاحب نے ایک کتاب ''اردو کی کہانی'' تصنیف کی جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے
شایع ہوئی اور جسے انھوں نے ہندی آمیز زبان میں لکھا ہے''۔(۵۰)

ڈاکٹر سہیل بخاری کے اسلوب کی خصوصیت بتاتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند جین کو یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ اپنے اس نظریے کی تردید کر رہے ہیں جس کے وہ سب سے بڑے پرچارک ہیں۔ ان کے اس نظریے کی رُو سے اردو اور ہندی دو الگ زبانیں نہیں ہیں۔ اس لیے سہیل بخاری کے اسلوب کے بارے میں گیان چند جین کا اسے ''ہندی آمیز'' کہنا ایسا ہی ہے جیسے ''انگلش آمیز انگریزی'' کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا نظریہ بھی یہی ہے کہ ''اردو'' اور ''ہندی'' ابتدا میں ایک ہی زبان تھی۔ ان کے اس خیال کا ذکر کرتے ہوئے گیان چند جین لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر سہیل بخاری نے اوپر بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ اردو کا آغاز کب ہوا اس معاملے کو لے کر وہ پھر بہک گئے''۔(۵۱)

سہیل بخاری کا جو خیال گیان چند جین کے نظریے کے موافق ہے وہ ''پتے کی بات'' ہے اور اختلافی نقطہ نظر ''بہکی ہوئی بات''۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے سہیل بخاری کے بارے میں اس انداز کی تنقید کے بعد ان کا قاری اس وقت حیران ہو جاتا ہے جب وہ یہ فرماتے ہیں:

> ''ڈاکٹر سہیل بخاری عجیب نظریے پیش کیا کرتے ہیں لیکن اردو کے آغاز کے بارے میں ان کا جو نقطہ نظر ہے اس کے مرکزی جزو سے بھی مجھے اتفاق ہے''۔(۵۲)

کج فہمی کے سبب عجیب عجیب مفروضات قائم کرنے والے محقق کے نظریے کے مرکزی جزو سے اتفاق کرنا عجیب بھی ہے اور حیران کن بھی۔ یہ حیرت اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب ڈاکٹر گیان چند جین ۲۰۰۵ میں شائع ہونے والی اپنی تصنیف ''ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب'' میں ڈاکٹر سہیل بخاری کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کتاب میں گیان چند کا انداز بالکل ہی مختلف ہے۔ اس کتاب کے تیسرے باب ''اردو اور ہندی کے آغاز کی تلاش اور اردو محققین'' میں وہ سب سے پہلے ڈاکٹر سہیل بخاری کا ہی حوالہ دیتے ہیں:

> ''اتنا تو بہر حال سبھی مانتے ہیں کہ اردو ہند آریائی ہندوستانی زبان ہے جو باہر سی نہیں آئی اس کا جدی شجرہ فارسی یا عربی تک نہیں پہنچتا بلکہ کھری بولی اپ بھرنش وغیرہ سے ہوتا ہوا سنسکرت اور ویدک زبان تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے تو اردو کے سنسکرت داں محقق ڈاکٹر سہیل بخاری اپنے مبالغہ آمیز لہجے میں کہتے ہیں''۔۵۳

اب ڈاکٹر سہیل بخاری سنسکرت داں محقق ہیں اور ان کے مفروضات لسانی مالی خولیا نہیں ہیں صرف ان کا لہجہ مبالغہ آمیز ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر گیان چند جین نے سہیل بخاری کے تین بیان نقل کیے ہیں:

الف) دراصل اردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں جسے ماہرین علم زبان نے کھڑی بولی کا نام دیا ہے۔

ب) اردو زبان کی عمر کچھ نہیں تو کم از کم چند ہزار سال تو ضرور ہی مانی جا سکتی ہے کیوں کہ اس کے الفاظ اس برصغیر کی قدیم ترین کتاب رگ وید میں بھی ملتے ہیں

ج) رگ وید میں جن شاعروں کے بھجن ملتے ہیں ان میں کچھ ایسے شاعر بھی تھے جو اردو کے دیس میں بستے تھے یا اردو بول سکتے تھے کیوں کہ انھوں نے اپنے بھجنوں میں آریائی بولوں کے ساتھ ساتھ اردو کے بول بھی باندھ دیئے ہیں۔(۵۴)

درج بالا (ب) اور (ج) وہی مفروضے ہیں جن کی بنیاد پر گیان چند جین نے سہیل بخاری کے نظریات کو ایجاد بندہ، لسانی مجذوبیت اور لسانی مالی خولیا قرار دیا تھا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر گیان چند جین نے اردو اور ہندی کو ایک زبان ثابت کرنے اور ہندی کی اردو پر فوقیت ثابت کرنے کے لیے دلائل دیئے ہیں۔ ہندی کو قدیم زبان ثابت کرنے کے لیے انھوں نے سہیل بخاری کے مذکور خیالات کو استعمال کیا ہے لیکن اردو اور ہندی کو ایک زبان قرار دینے والے سہیل بخاری نے ان خیالات کو پیش کر کے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ اردو اور ہندوستان کی دوسری بولیاں ویدک اور سنسکرت سے پیدا نہیں ہوئی ہیں بلکہ یہ بولیاں آریاؤں کے دور سے قبل بھی موجود تھیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے ان کے نظریے کے ایک جزو کو قبول کیا لیکن ''سنسکرت'' سے ہندوستان کی تمام زبانوں کی پیدائش کے اپنے نظریے کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔ یہاں انھوں نے سہیل بخاری کے اصل نظریے کا ذکر تک نہیں کیا۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ نے اس کتاب کے بارے میں درست لکھا ہے:

> ''مسلمان مصنفین کے حوالے سے صرف وہاں دیئے گئے ہیں جہاں جین صاحب کو اپنے مطلب اور مفاد کی کوئی بات نظر آئی ہے''۔ (۵۵)

مرزا خلیل احمد بیگ نے ڈاکٹر گیان چند جین کے تحقیقی رویوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے اس کی روشنی میں ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کے بارے میں بھی ان کی آرا کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے۔ مرزا خلیل بیگ کہتے ہیں:

> ''اہل اردو کے کسی بیان سے انھیں اتفاق نہیں جب کہ وہ خود اردو کے ایک نام ور محقق اور عالم ہیں اور لسانیات سے بھی قدرے واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور ان سے غلط مطلب اخذ کرتے ہیں''۔ (۵۶)

ڈاکٹر سہیل بخاری کا یہ نظریہ کہ اردو اور ہندوستان کی دوسری زبانیں سنسکرت اور ویدک سے ماخوذ نہیں ہیں کسی ایسے محقق کے لیے آسانی سے قبل قبول نہیں ہو سکتا جو لسانی حقائق اور لسانی مباحث میں مذہبی تعصب سے بالاتر نہ ہو سکے۔ اگرچہ مذہب کا ذکر ایک نہایت نازک موضوع ہے لیکن خود ڈاکٹر گیان چند جین نے لکھا ہے:

> ''ہندی اردو کا موضوع مذہب اور فرقہ وارانہ سیاست سے گوشت و ناخن کے رشتے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ فرقہ و ملت سے الجھے بغیر اس موضوع کو چھیڑا نہیں جا سکتا''۔ (۵۷)

اگرچہ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنی کتابوں میں کہیں بھی کسی مذہبی، لسانی یا قومی تعصب کا ثبوت نہیں دیا ہے لیکن ان کا نظریہ ایک مخصوص طبقے اور مذہب کے ماننے والوں کے مذہبی اعتقادات سے مناسبت نہیں رکھتا اس لیے اس پہلو پر غور کیا جانا چاہیے کہ ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کی ڈاکٹر گیان چند جین نے جس انداز میں تضحیک اور تحقیر کی ہے اس کے پس منظر میں لسانی شعور کی جگہ ان کا وہی تعصب کا جذبہ تو کار فرما نہیں ہے جس کی طرف ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی نے بھی اشارہ کیا ہے:

> ''جین صاحب رائی کا پہاڑ بناتے ہیں پھر لات مار کر اسے گرا دیتے ہیں اور پھر بغلیں بجاتے ہیں کہ وہ مرا، دیکھو میں ''ہندو'' ہوں اور کتنا عقل مند اور انصاف پسند ہوں اور ''مسلمان'' کتنے احمق اور بے ایمان ہیں'' (۵۸)

ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب ''ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب'' کی اشاعت کے بعد اردو دان طبقہ ان کی تحقیقی غیر جانب داری کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گیا ہے۔ڈاکٹر شمیم حنفی نے اس کتاب کو فسطائیت کا لسانی اور ادبی محاذ'' کہا ہے۔(۵۹)

بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ اردو کے لسانی محققین اب صرف گیان چند جین کی رائے کو حرف آخر سمجھتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کو رد کونے کے بہ جائے خود ان کا تجزیہ کریں گے۔

ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ بھی معروف ماہر لسانیات ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر سہیل بخاری کے مقالے ''اردو کا قدیم ترین ادب''(۶۰) کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''اردو اور کھڑی بولی کے متعلق پاکستان کے ڈاکٹر سہیل بخاری کا بھی تقریباً وہی نقطہ نظر ہے جو شوکت سبز واری کا ہے''۔(۶۱)

یہ مضمون ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ کی نظر سے نہیں گزرا۔اسی لیے انھوں نے اس کا اقتباس ڈاکٹر گیان چند جین کے مضمون کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس کے بارے میں ان کی رائے بھی شامل کی ہے۔ اس کے بعد فتح محمد ملک کا مضمون ''لسانی تحقیق کا سیاسی پہلو''(۶۲) مرزا خلیل بیگ کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کی بنیاد پر ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''چند سال ہوئے پاکستان میں ان کی ایک کتاب ''اردو کے (کا) روپ'' شایع ہوئی ہے جس میں انھوں نے اردو کے ماخذ اور اس کی ابتدا اور نشو نما کے تمام مسلہ اصول و نظریات اور حقائق کو باطل قرار دے کر ایک بالکل نئے اور انوکھے نظریے کی تشکیل کی ہے جسے عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کر سکتی''۔(۶۳)

فاضل محقق کے مضمون یہں زیر بحث کتاب کا نام تک درست نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ نام دو مقام پر تحریر ہوا ہے اور دونوں مرتبہ غلط ہی لکھا گیا۔ شاید یہ سہو کاتب ہو لیکن اصل کتاب چوں کہ محقق کی نظر سے نہیں گزری اس لیے یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ کتاب کا غلط نام ہی ان کے ذہن میں ہو۔

ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس اقتباس کو بنیاد بنایا ہے جو فتح محمد ملک نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے اور اس اقتباس کو سامنے رکھ کر مرزا خلیل بیگ کہتے ہیں:

> ''اس قسم کے مفروضات و نظریات کو کسی علمی بحث کا موضوع نہیں بنایا جا سکتا۔ انھیں محض 'ایجاد بندہ' ہی کہا جا سکتا ہے''۔(۶۴)

''اردو کا روپ'' ۳۲۷ صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس پر فتح محمد ملک نے صرف ساڑھے تین صفحات کا تبصرہ لکھا ہے۔ اس کے ایک اقتباس کو پڑھ کر مرزا خلیل بیگ نے وہی انداز اختیار کیا ہے جو گیان چند جین کا ہے بلکہ ''ایجاد بندہ'' والی ان کی اصطلاح بھی استعمال کی۔ کسی نظریے سے اختلاف کا حق اپنی جگہ لیکن محقق کا فرض یہ بھی بنتا ہے کہ نظریہ ساز نے کسی نظریے کو جن دلائل کی بنیاد پر پیش کیا ہے ان کا رد بھی کیا جائے یا کم از کم ان کا مطالعہ کرنے کے بعد نظریے کو رد کیا جائے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے ایک مضمون اور فتح محمد ملک کے لکھے

ہوئے مختصر تبصرے کی بنیاد پر پیش کی جانے والی ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ کی رائے درست بھی ہو تب بھی اعلیٰ تحقیقی معیارات کی حامل نہیں سمجھی جاسکتی۔

مرزا خلیل بیگ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سہیل بخاری نے اردو کے ماخذ اور اس کی ابتدا اور نشو و نما کے تمام مسلمہ اصول و نظریات اور حقائق کو باطل قرار دے کر نئے نظریے کی تشکیل کی ہے۔ یہ بیان بھی تحقیقی طور پر درست نہیں ہے کیوں کہ اردو زبان کے ماخذ اور ابتدا کے بارے میں فی الحال کسی بھی نظریے کو مسلمہ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک نظریہ اگر ایک محقق یا ایک ملک کے چند محققین کے نزدیک مسلمہ ہے جو دیگر لسانی ماہرین اور محققین اس سے اختلاف کرتے ہیں اس لیے ڈاکٹر سہیل بخاری نے دیگر محققین کے پیش کردہ نظریات کو درست تسلیم نہیں کیا اور ایک نیا نظریہ ضرور پیش کیا ہے جس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ظفر خان نے اپنے بعض مقالے میں صرف ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کی مخالفت میں تحریر کیے ہیں۔ ان مقالوں سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ موصوف صرف نقاد ہیں۔ لسانی تحقیق اور علم لسانیات پر ان کی مہارت واجبی سی ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر سہیل بخاری کی صرف ایک کتاب ''اردو کی کہانی'' کا مطالعہ کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر کئی مضامین تحریر کر دیئے ہیں۔ ان مضامین میں ''مخالفت برائے مخالفت''، ''اعتراض برائے اعتراض'' اور دوسرے محققین کے نظریات کو نقل کرنے کے علاوہ کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے ویدک زبانوں اور رگ وید کے بارے میں اپنی کئی تصانیف میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ڈاکٹر محمد ظفر خان کہتے ہیں:

> ''ڈاکٹر بخاری یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ویدک کتابیں آریاؤں کے آنے کے ہزاروں نہیں تو سینکڑوں برس پیچھے تو لکھی گئی ہوں گی کیوں کہ ان کی بولی میں دیسی بولیوں کے بھی بہت سے روپ ملتے ہیں اور دیسی بدیسی بولیوں میں اتنی ملاوٹ بہت دنوں میں جا کر ہوتی ہے لیکن انھوں نے اس حقیقت سے پردہ نہیں اٹھایا کہ آریا کب برصغیر میں وارد ہوئے اور وید کے منتر کب کہے گئے''۔(۶۵)

اگرچہ ڈاکٹر سہیل بخاری نے ''اردو کی زبان'' اور ''اردو کا روپ'' میں ان سوالات کا جواب دیا ہے لیکن فاضل نقاد نے جس نظریے کو بیان کر کے یہ اعتراض اور تقاضا کیا ہے اس کے رد و قبول کا ان سوالات اور ان کے جوابات سے براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا۔ ''اردو کی کہانی'' میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس خیال کا اظہار کیا ہے:

> ''رگ وید ہندوستان کی سب سے پرانی کتاب مانی جاتی ہے کیوں کہ اس سے پہلے لکھی ہوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ اس میں دو سو سے اوپر شاعروں کے ایک ہزار سے اگلے (زیادہ) بھجن اکٹھے کر دیئے گئے ہیں جو ہندوستان کے الگ الگ علاقوں کے رہنے والے تھے۔ یہ بھجن پنگل کی بہت سی بحروں میں کہے گئے ہیں اور ان میں شاعری کے بہت سے گن پائے جاتے ہیں اور گانے میں آواز کے اتار چڑھاؤ کے لیے ان کے بولوں کے نیچے اوپر لکیریں بھی کھینچ دی گئی ہیں''۔(۶۶)

ڈاکٹر سہیل بخاری کے اس بیان پر ڈاکٹر محمد ظفر خان نے یہ اعتراض کیا ہے:

''انھوں نے نہ تو پنگل بحروں کی تعداد بتائی ہے نہ کسی بحر سے متعارف کرایا ہے۔ نہ تو ان بحور کے اوزان کی تفصیل سے آگاہ کیا ہے اور نہ ہی شاعری کی بہت سے خوبیوں میں سے کسی ایک خوبی کا ذکر کیا ہے''۔(۶۷)

ڈاکٹر ظفر نے ایک اور اعتراض بھی کیا ہے:

''محقق موصوف نے نہ تو کسی شاعر کا نام بتایا ہے اور نہ ہی اس کے دیس یا علاقے کا ذکر کیا ہے''۔(۶۸)

ڈاکٹر ظفر نے خود ہی یہ وضاحت بھی کر دی ہے۔

''رگ وید ہو یا دوسرے وید ان میں جن رشیوں کا کلام ہے ان کے نام ویدوں کے اندر درج ہیں یعنی ہر ایک سوکت پر اس رشی کا نام موجود ہے جس کا وہ کلام ہے''۔(۶۹)

اگر تمام شاعروں یا ہر رشی کا نام رگ وید میں موجود ہے اس لیے ڈاکٹر سہیل بخاری نے کوئی نام نہیں بتایا تو اس میں کیا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ یہ اعتراض بھی محل نظر ہے کہ انھوں نے بحروں کی تعداد نہیں بتائی۔ بحور کے اوزان سے متعارف نہیں کرای اور شاعری کی خوبیوں میں سے کسی ایک کا ذکر نہیں کیا ہے یہ سب بھی غیر منطقی اعتراضات ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کسی درسی نصاب کی امدادی کتاب تحریر نہیں کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ظفر نے یہ تردید بھی نہیں کی کہ رگ وید کے منتر اور بھجن جو گائے جاتے تھے وہ شاعری نہیں نثر ہے۔ صرف درج بالا اعتراض کر کے انھوں نے یہ بات ختم کر دی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے رگ وید کی زبان کے بارے میں لکھا ہے:

''اس بولی میں اردو، برج بھاشا، مرہٹی، پنجابی، گجراتی، بنگالی بہت سے بولیوں کے بول پائے جاتے ہیں''۔(۷۰)

ڈاکٹر ظفر اس اقتباس کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر سہیل بخاری کے ایک قیاس کی تردید کرتے ہیں جس کے مطابق آریا کشمیر کے راستے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ظفر کہتے ہیں:

''ڈاکٹر بخاری نے ہندوستان کے چھ معروف بولیوں کا آریائی زبان میں ملاوٹ کا تذکرہ کیا ہے ان میں کشمیری زبان شامل نہیں۔ اس زبان کو نظر انداز کیا جانا ہی اس بات کی نفی کرتا ہے کہ آریا کشمیر سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے تھے''۔(۷۱)

ڈاکٹر ظفر نے چھ بولیوں کو جن کے نام مذکور ہوئے گن لیا ہے لیکن اس کے بعد ''بہت سی بولیوں'' کے اجمال کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریے کے مطابق ہندوستان کی جن بولیوں کے لفظ رگ وید کی زبان میں موجود ہونے کا امکان ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور ہر ایک کا نام گنوانا ضروری نہیں سمجھا گیا اور نہ ہی ممکن اور مناسب تھا۔ ڈاکٹر ظفر نے اسی بیان پر ایک اور اعتراض بھی کیا ہے اور ساتھ ہی حیرت بھی ظاہر کی ہے:

''تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ مذکورہ چھ بولیوں میں اردو سر فہرست ہے لیکن پیدائش اردو کے بارے میں بعض ماہرین لسانیات کی رائے تو یہ ہے کہ اس زبان کا بیج مسلمانوں کی فتح سندھ کے بعد پنجاب میں بویا گیا ہے''۔(۷۲)

ڈاکٹر ظفر نے چوں کہ ''اردو کی کہانی'' کے سوا ڈاکٹر سہیل بخاری کی دیگر کتب کا مطالعہ نہیں کیا ہے اس لیے ان کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ سہیل بخاری اس نظریے کو درست تسلیم نہیں کرتے بلکہ بعض دیگر ماہرین لسانیات مثلاً ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر شوکت سبز واری اور ڈاکٹر گیان چند جین وغیرہ بھی اس نظریے کے قائل نہیں ہیں۔ڈاکٹر ظفر نے سہیل بخاری کا جو اقتباس نقل کیا ہے وہ ان کے اسی نظریئے کی تائید میں تحریر کیا گیا ہے جس کے مطابق اردو زبان کی پیدائش مسلمانوں کے برصغیر میں ورود سے کئی صدیوں پہلے ہوئی تھی البتہ مسلمانوں کی آمد اور ان کے اثرات کی وجہ سے اس زبان نے ارتقاء کے مراحل تیزی سے طے کیے اور اس کی ثروت میں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے ''اردو کی کہانی'' میں بتایا ہے:

''آریائی بولی میں آوازوں کی بدلائی کے کچھ اصول پائے جاتے ہیں جو ہماری بولیوں کے اصولوں سے بہت کچھ الگ ہیں''۔(۷۳)

ڈاکٹر ظفر اعتراض کرتے ہیں:

''انھوں نے آریائی بولی اور دوسری بولیوں میں آواز کی بدلائی کا ایک اصول نہیں بتلایا''۔(۷۴)

ڈاکٹر سہیل بخاری نے ''اوہٹھ'' کا اشتقاق پراکرت سے دکھاتے ہوئے صوتی تبادل کے اصول کو استعمال کیا تھا۔ ڈاکٹر ظفر نے اپنے مضمون میں اس پر بھی اعتراض کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ بدلائی کے اصول بالوضاحت تحریر کریں:

''تاکہ ہم جیسے بے بضاعت افراد جو سنسکرت اور پراکرتوں کی گرامروں کے قواعد اور بدلائی کے اصولوں سے ناآشنا ہیں انھیں بھی ان سے آشنائی کے ساتھ یقین ہو جاتا کہ مذکورہ حروف کی بدلائی واقعی درست ہے''۔(۷۵)

ڈاکٹر ظفر نے جس وقت یہ مضمون تحریر کیا اس وقت ''اردو کا روپ'' اور دوسری کتب منظر عام پر آچکی تھیں اور صوتی تبادل پر مشتمل تصنیف ''اردو زبان کا صوتی نظام اور تقابلی مطالعہ'' بھی شایع ہو چکی تھی لیکن ڈاکٹر ظفر نے ''اردو کی کہانی'' کے علاوہ کسی بھی کتاب کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور صرف ایک کتاب کے مندرجات پر اس طرح کے اعتراضات کیے ہیں کہ اگر وہ دوسری تصانیف پر نظر ڈال لیتے تو ان میں سے بیش تر کے جوابات ان کو مل جاتے۔

ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی کا نام اردو تحقیق و تنقید میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ زبان و ادب کے مسائل میں ان کی بصیرت سے انکار ممکن نہیں ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری کے سلسلے میں انھوں نے بھی انتہا پسندانہ رویے کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اردو زبان کی قدامت کے موضوع پر بلکہ اردو لسانیات کے میدان یں کسی موضوع پر مرحوم ڈاکٹر سہیل بخاری کی کوئی بات معتبر نہیں اور ان کا یہ ارشاد تو واقعی تعجب انگیز ہے کہ اردو کے الفاظ سنسکرت، ویدی سنسکرت اور ژند پاژند میں موجود ہیں''۔(۷۶)

کسی لسانی محقق کے ایک ہی نہیں تمام نظریات کو اس انداز میں کسی دلیل اور حجت کے بغیر بے اعتبار قرار دینا تحقیق و تنقید کا قابل تعریف نمونہ نہیں ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے سہیل بخاری کے اس خیال کو تعجب انگیز کیا ہے کہ ویدک و سنسکرت (ژندہ و پاژندہ سہیل بخاری نے نہیں کہا فاروقی صاحب کی اپنی اختراع ہے) میں اردو کے الفاظ موجود ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ محققین کے اخذ کردہ نتائج اور نظریات میں سے بیش تر اہم نظریات وہی ہوتے ہیں جو آغاز میں تعجب انگیز محسوس ہوتے ہیں اور کسی نظریے کا تعجب انگیز ہونا اس کے رد کی دلیل نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعوے کے ثبوت میں کثیر التعداد مثالیں بھی اپنی کتابوں میں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں اور ان کی وضاحت کے لیے بیان کیے گئے اشتقاقی قواعد اور صوتی تبادل کے اصولوں کو غلط ثابت کرنے کے بعد ہی اس دعویٰ کو رد کیا جانا چاہیے۔

ڈاکٹر خورشید حمرا کا تعلق جموں یونیورسٹی بھارت سے ہے۔ انھوں نے ''اردو زبان کا آغاز۔ مختلف نظریے اور حقائق'' کے عنوان سے اپنی کتاب میں اردو کے آغاز کے تمام اہم نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ بیش تر نظریات کا تجزیہ انھوں نے نہایت تفصیل اور باریک بینی سے کیا اور ان نظریات میں اشتراک تلاش کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری کے سلسلے میں انھوں نے اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر تحقیقی رویہ اپنایا ہے۔ ''ڈاکٹر سہیل بخاری کا نظریہ'' کے عنوان کی سرخی جمانے کے بعد ان کے پاس لکھنے کے لیے کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ کتاب کا یہ حصہ ڈاکٹر گیان چند جین کی ایک رائے سے شروع ہوتا ہے اور دوسری رائے پر ختم ہو جاتا ہے جن کے مطابق سہیل بخاری کے نظریات انوکھے اور ایجاد بندہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ خود ڈاکٹر صاحبہ نے سہیل بخاری کے باب میں صرف یہ اضافہ کیا ہے:

> ''ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو کو دراوڑی خاندان کی زبان بتایا ہے جب کہ تقریباً سبھی ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اردو ہند آریائی خاندان کی زبان ہے۔ اردو کو دراوڑی خاندان کی زبان بتانا درست نہیں ہے''۔(۷۷)

حیرت ہوتی ہے کہ اردو زبان کے آغاز کے نظریات پر تحقیق کرنے والی فاضل محققہ نے ایک نظریہ ساز محقق کی کسی کتاب یا مقالے کے مطالعے کی زحمت گوارا نہیں کی اور اول و آخر گیان چند جین کے جملے چسپاں کرکے یہ سمجھا کہ تحقیق کا حق ادا ہو گیا ہے۔

پروفیسر ایوب صابر کی کتاب ''اردو کی ابتدا کے بارے میں محققین کے نظریات'' کا مقصد بھی اردو زبان کے آغاز کے نظریات کا تجزیہ ہے۔ ایک بہت واسیع تناظر میں لکھی جانے والی یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ اسی لیے مباحث کے دوران جگہ جگہ تشنگی کا احساس ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریے کا بھی مصنف نے تجزیہ نہیں کیا۔ دراوڑی زبانوں کو اردو کا ماخذ قرار دینے والی آرا کے ضمن میں ڈاکٹر سہیل بخاری کے صرف اس نظریے کا سرسری ساذکر کیا گیا ہے جس کے مطابق ہندوستان کی تمام زبانیں دراوڑی ہیں اور اردو کے علاوہ دوسری بولیاں بھی آریاؤں کی ہندوستان میں آمد سے قبل بھی یہاں بولی جاتی تھیں۔ اس رائے کو ڈاکٹر وزیر آغا، عین الحق فرید کوٹی اور اختر اورینوی وغیرہ کی آرا کے ساتھ شامل کرکے مصنف نے دراوڑی زبانوں اور پراکرت و سنسکرت کے تعلق پر بحث کی ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری کے نظریات کا تجزیہ اس کتاب میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کتاب کا مجموعی تاثر یہی قائم ہوتا ہے کہ مصنف تمام نظریات کے تجزیے کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی جگہ اپنی پسند کے نظریے کو درست ثابت کرنے کے لیے باقی نظریات کا تجزیہ کر رہا ہے۔

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا تعلق معروف علمی وادبی خانوادے سے ہے۔ وہ اختر شیرانی کے بیٹے اور حافظ محمود شیرانی کے پوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ادب اور لسانیات کا ذوق ان کے خون میں شامل ہے۔

''حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات'' پر انھوں نے پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ تحریر کیا جو کتابی صورت میں شایع ہو چکا ہے۔(۷۸) مذکورہ مقالے میں ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے بلاشبہ حق تحقیق ادا کیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی کے علمی وادبی کارناموں کا احاطہ اس سے بہتر شاید ممکن نہیں ہے۔ اس مقالے میں مظہر صاحب نے اردو زبان کے آغاز کے ان نظریات کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے جو حافظ محمود شیرانی کے نظریے سے مختلف ہیں۔ شیرانی کے نظریے کا تجزیہ اور اس کی تائید اس مقالے کا موضوع کا حصہ ہے اس لیے باقی ماہرین لسانیات کے نظریات کا تفصیلی جائزہ اور تحقیق تجزیہ ضروری نہیں تھا۔ مظہر صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے لیکن دوسرے لسانی محققین کے بارے میں رائے دیتے ہوئے وہ جذباتی ہو گئے ہیں اس لیے یہ آرا غیر متوازن، جانب دارانہ اور یک طرفہ محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر شوکت سبزواری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے نہ کوئی نظریہ پیش کیا اور نہ اپنے سے قبل پیش کردہ نظریات میں سے کسی کی توثیق کی۔ گزشتہ تمام نظریات کی محض تردید کر دینے کے اعتبار سے ان کا تمام کام منفی حیثیت رکھتا ہے''۔(۷۹)

ڈاکٹر مسعود حسین خان کے سلسلے میں یہ رائے دی ہے:

> ''مسعود صاحب شیرانی صاحب کے ہر مثبت بیان کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور اس کے لیے یا تو کوئی دلیل دیتے ہی نہیں اور اگر دیتے ہیں تو نہایت بے سروپا قسم کی''۔(۸۰)

ڈاکٹر سہیل بخاری نے بھی حافظ محمود شیرانی کے نظریے کی تردید کی ہے اس لیے ان کے بارے میں ڈاکٹر مظہر کا رویہ ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ ہندوستان کی زبانوں کو دراوڑی کہنے کے نظریے کے متعلق وہ کہتے ہیں:

> ''ان کا یہ نظریہ ہماری بحث کے دائرے سے باہر ہے۔ اردو زبان کی پیدائش میں مسلمانوں کے ورود کی اہمیت کے بخاری صاحب مطلق قائل نہیں''۔(۸۱)

یہ بات درست ہے کہ سہیل بخاری اردو زبان کے ارتقا اور اس کی ثروت میں اضافے کو مسلمان فاتحین ہی سے وابستہ کرتے ہیں لیکن اردو کے آغاز کا زمانہ ان کے نزدیک اس سے پہلے کا کوئی دور رہا تھا لیکن اس نظریے پر اتنا غصہ کہ موضوع ہی بحث کے دائرے سے خارج ہو گیا؟ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اس نظریے کو بحث سے خارج کرنے کے بعد بھی سہیل بخاری کے نظریات پر رائے زنی کا سلسلہ جاری رکھا ہے اور ان کے مہاراشٹری پراکرت سے اردو کے تعلق کے بارے میں ایک مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے:

> ''۔۔۔ اردو کی علامت فاعلی'' نے'' ہندوستان کی تمام زبانوں میں سے صرف ایک مرہٹی میں ملتی ہے بلکہ اردو اور مرہٹی میں اور بھی بہت سی باتیں مشترک ہیں جن کی تفصیل بہ خوف طوالت ترک کی جاتی ہے''۔(۸۲)

یہ اقتباس ڈاکٹر مظہر نے مرزا ادیب کے مرتب کردہ مضامین کے مجموعے ''تنقیدی مقالات'' سے نقل کیا ہے جس میں مصنف نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اردو اور مرہٹی کے اشتراک کی باقی تفصیل بہ خوف طوالت ترک کی گئی ہے لیکن ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''گویا اردو کے مہاراشٹری پراکرت سے استخراج کے لیے صرف ''نے'' کا ثبوت کافی ہے۔
باقی اگر کوئی مشابہت ہے تو وہ ''دو بطن ماہر'' رہ گئی ہے''۔(۸۳)

زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر سہیل بخاری کی کتاب ''اردو کا روپ'' کے مباحث پر بھی تبصرہ کیا ہے۔اس کتاب میں اردو اور مہاراشتری کے اشتراک کی گیارہ مثالیں مع وضاحت درج ہیں۔ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی شاید اس کتاب کا مطالعہ بہ نظر غائر نہیں کر سکے ورنہ ''دو بطن ماہر'' رہ جانے کا طنز نہ کرتے۔

جامعات میں سند کے حصول کے لیے تحریر کیے جانے والے بعض مقالہ جات کے تحقیقی و تنقیدی معیار پر اہل علم میں بجا طور پر تشویش پائی جاتی ہے۔اس کی ایک مثال ایم۔فل (اردو) کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ''ڈاکٹر سہیل بخاری۔احوال و آثار'' کے موضوع پر راجا محمود یعقوب حفیظ کا تحریر کردہ مقالہ ہے ۸۴ یہ مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔پورے مقالے میں تنقید اور تجزیے کے فقدان کے علاوہ عجیب طرح کی بے ترتیبی اور بد نظمی نظر آتی ہے۔حوالہ جات، حواشی اور کتابیات کو درج کرنے میں بھی سلیقہ نظر نہیں آتا۔صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محقق نے افرا تفری میں مقالہ مکمل کر کے جمع کرا دیا ہے۔راقم کی اطلاع کے مطابق مقالے کے نگران اور ممتحن نے نظر ثانی کرنے کے لیے کہا تھا اور بعض تجاویز بھی دی تھیں۔مقالہ نگار کے پاس اتنا بھی نہیں تھا کہ ان تجاویز پر درست انداز میں عمل کیا جائے اس لیے مقالے کے ٹائپ شدہ متن کو جگہ جگہ سے کاٹ چھانٹ کر ہاتھ ہی سے نہایت بدخط صورت میں بعض ترامیم اور اضافے کیے گئے ہیں۔یہ مقالہ ادارے کے تحقیقی معیار پر بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔

''اردو میں لسانیات کے مباحث'' کے موضوع پر ایک مقالہ عبدالغفور ساہی نے پی ایچ۔ڈی کے لیے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے مکمل کیا ہے۔لسانیات کی کئی کتابوں کے صفحات کے صفحات نقل کر کے یہ مقالہ مرتب کر دیا گیا ہے۔ڈاکٹر سہیل بخاری کی چند کتب کا تعارف بھی اس مقالے میں موجود ہے اور موضوعات و مباحث میں ان کے اقتباس بھی نقل کی ہیں لیکن مقالہ نگار کے معیارِ تنقید کا اندازہ ڈاکٹر سہیل بخاری کے بارے میں ان کی اس رائے سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے:

''اردو لسانیات کی جس قدر کتب کا مطالعہ کیا جائے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ جیسے ڈاکٹر سہیل بخاری نے ''لسانیات'' کی مفصل اور جامع تعریف کر دی ہے کسی اور سے نہ قبل ازیں ہو سکی اور نہ ہی بعد ازاں''۔(۸۵)

حوالہ جات

۱ افتخار احمد صدیقی۔ اردو کی زبان۔ ڈاکٹر سہیل بخاری (ایک سر سری جائزہ)، رپورٹ برائے لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ نقل راقم کے پاس محفوظ ہے

۲ ایضاً۔ ص ۱

۳ ایضاً۔ ص ۲

۴ ایضاً

۵ ایضاً۔ ص ۵

۶ ایضاً۔ ص ۹

۷ ایضاً۔ ص ۱۰

۸ ایضاً

۹ سید امتیاز علی تاج مکتوب بنام ڈاکٹر سہیل بخاری۔ لاہور: ۲ نومبر ۱۹۶۲، نقل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

۱۰ ڈاکٹر سہیل بخاری مکتوب بنام ابو سعادت جیلی۔ ۴ جولائی ۱۹۶۷ نقل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

۱۱ شوکت سبزواری، ڈاکٹر۔ ہمارے نقاد، مشمولہ، سہ ماہی اردو نامہ۔ کراچی: شمارہ ۶، ۱۹۶۱ء۔ ص ۷۱

۱۲ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ مراسلات مشمولہ، اردو نامہ۔ کراچی: شمارہ ۹۔ ص ۹۸

۱۳ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کے قدیم مشمولہ لسانی مقالات (حصہ سوم)۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء۔ ص ۴۳۲

۱۴ اصغر ہاشمی، ڈاکٹر۔ سہیل بخاری کے لسانی نظریات اور معاصرین کا رد عمل، مشمولہ سہ بادبان، کراچی: شمارہ ۱۲، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء۔ ص ۵۵۷

۱۵ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اردو کے آغاز کے نظریے۔ مشمولہ حقائق، بہ حوالہ اردو زبان کا آغاز از خورشید حمرا صدیقی۔ دہلی: جے کے۔ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۸

۱۶ ڈاکٹر گیان چند جین۔ مہاتما گاندھی اور بھاشا کا سوال۔، مشمولہ، لسانی مطالعے۔ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۷۳ء۔ ص ۲۰۳

۱۷ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ دکنی کے لسانی رشتے، مشمولہ، کھوج۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۰ء۔ ص ۳۱۳

۱۸ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء۔ ص ۸۱

۱۹ ایضاً۔ ص ۶۶

۲۰ ڈاکٹر گیان چند جین۔ اردو کا نام اور آغاز کے نظریے مشمولہ لسانی مطالعے۔ ص ۳۷

۲۱ ایضاً

۲۲ ایضاً۔ ص ۴۷

۲۳ ایضاً

۲۴ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اردو زبان کا پس منظر اور آغاز، مشمولہ، لسانی رشتے۔ لاہور: اردو اکیڈمی، ۲۰۰۴ء۔ ص ۷۵

۲۵ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ کھڑی بولی اور ہندوستانی، مشمولہ، لسانی مطالعے۔ ص ۱۰۹

۲۶ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۸۹

۲۷ ایضاً۔ ص ۸۰

۲۸ ایضاً

۲۹ ایضاً۔ ص ۸۳

۳۰ ایضاً۔ ص ۸۷

۳۱ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اقبال کے منسوخ اشعار کا وزن، مشمولہ، کھوج۔ ص ۲۴۷

۳۲ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ دلی اور لکھنو کی زبان کا معرکہ، مشمولہ، کھوج۔ ص ۱۱۱

۳۳ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ فراق کے بے عروضیاں ، مشمولہ، کھوج۔ ص ۲۶۸

۳۴ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ فراق کے بے عروضیاں ، مشمولہ، کھوج۔ ص ۲۷۷

۳۵ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اخلاقیاتِ تحقیق، مشمولہ، شاعر، آگرہ: جون ۱۹۸۱ بہ حوالہ کھوج۔ ص ۱

۳۶ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اخلاقیاتِ تحقیق، مشمولہ، کھوج۔ ص ۱۴

۳۷ ایضاً۔ ص ۱۷

۳۸ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اخلاقیات تحقیق، مشمولہ، کھوج۔ ص ۱۳

۳۹ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۹۳

۴۰ ایضاً۔ ص ۸۹

۴۱ ایضاً۔ ص ۹۰

۴۲ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی رشتے۔ ص ۹۳

۴۳ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۹۲

۴۴ ایضاً۔ ص ۹۳

۴۵ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی رشتے۔ ص ۹۰

۴۶ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اخلاقیات تحقیق، مشمولہ، کھوج۔ ص ۱۶

۴۷ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۹۱

۴۸ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کی زبان کا آغاز۔ لاہور: نقوش، جنوری ۱۹۶۳

۴۹ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۸۹

۵۰ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ تین سنسکرت ڈرامے (تراجم)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹
۵۱ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی رشتے۔ ص ۸۹
۵۲ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ لسانی مطالعے۔ ص ۹۱
۵۳ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ اردو ہندی یا ہندوستانی، مشمولہ، لسانی مطالعے۔ ص ۱۵۴
۵۴ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب،۔ ص ۵۶
۵۵ ایضاً
۵۶ مرزا خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر۔ اردو زبان فرقہ پرستی کے تناظر میں، مشمولہ، اردو زبان اور اردو رسم الخط (مرتبہ) پروفیسر فتح محمد ملک۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص ۲۰۰۸ء، ص ۴۶
۵۷ مرزا خلیل احمد بیگ ، ڈاکٹر۔ ہندی امپیریلزم اور اردو، مشمولہ، اردو زبان اور اردو رسم الخط۔ ص ۳۷
۵۸ گیان چند جین، ڈاکٹر۔ ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب، ص ۱۵۵
۵۹ شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر۔ (مضمون)۔ ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب، مشمولہ، اردو زبان اور اردو رسم الخط۔ ص ۱۷
۶۰ شمیم حنفی، ڈاکٹر۔ فسطائیت کا لسانی اور ادبی محاذ۔ مشمولہ، اردو زبان اور اردو رسم الخط۔ ص ۲۷
۶۱ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کا قدم ترین ادب، مشمولہ، نقوش۔ مئی ۱۹۶۵
۶۲ مرزا خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر۔ اردو کی لسانی تشکیل۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۰ء۔ ص ۳۱
۶۳ فتح محمد ملک۔ لسانی تحقیق کا سیاسی پہلو مشمولہ۔ اندازِ نظر۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء۔ ص ۱۳۲تا۱۳۵
۶۴ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ۔ اردو کی لسانی تشکیل۔ ص ۳۲, ۳۱
۶۵ ایضاً۔ ص ۳۲
۶۶ محمد ظفر خان، ڈاکٹر۔ ویدک زبان، مشمولہ، ماہ نامہ صریر۔ کراچی: اکتوبر ۲۰۰۳ء۔ ص ۱۲
۶۷ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کی کہانی۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۵ء۔ ص ۴
۶۸ محمد ظفر خان، ڈاکٹر۔ ویدک زبان، مشمولہ، ماہ نامہ صریر۔ ص ۱۴
۶۹ ایضاً۔ ص ۱۳
۷۰ ایضاً
۷۱ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کی کہانی۔ ص ۱۸
۷۲ ایضاً
۷۳ سہیل بخاری، ڈاکٹر۔ اردو کی کہانی۔ ص ۵
۷۴ محمد ظفر خان، ڈاکٹر۔ ویدک زبان، مشمولہ، ماہ نامہ صریر۔ ص ۲۰
۷۵ محمد ظفر خان، ڈاکٹر۔ اوھٹھ مشمولہ ماہ نامہ صریر۔ کراچی: جون، جولائی ۲۰۰۴ء۔ ص ۳۳

۷۶ شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر۔ مکتوب بنام سید خالد جامعی مشمولہ جریدہ، جامعہ کراچی: شمارہ ۲۹، ۲۰۰۴ء۔ ص ۱

۷۷ خورشید حمرا صدیقی، ڈاکٹر۔ اردو زبان کا آغاز۔ مختلف نظریے اور حقائق۔ دہلی: جے۔ کے۔ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۳ء۔ ص ۲۱۰، ۲۰۹

۷۸ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر۔ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی وادبی خدمات۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء۔ ص

۷۹ ایضاً۔ ص ۲۵۷

۸۰ ایضاً۔ ص ۲۵۰

۸۱ ایضاً۔ ص ۲۶۲

۸۲ ایضاً۔ ص ۲۶۴

۸۳ ایضاً

۸۴ راجہ محمد یعقوب حفیظ۔ ڈاکٹر سہیل بخاری احوال و آثار (تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ فل اردو)۔ اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، سنہ ندارد

۸۵ عبدالغفور ساہی، ڈاکٹر۔ اردو میں لسانیات کے مباحث (مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی) مملوکہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور۔ ص ۱۸۵